عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ / مئی ۲۰۰۴ء

جلد دوم:
شمارہ: ۹

فہرست

عنوان	صاحب مضمون	صفحہ نمبر
محبت اور اس کی قسمیں	حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ	۳
سفرنامۂ چین (قسط:۳)	انجینئر قیصر علی	۱۵
حفاظتِ قرآن مجید (قسط:۵)	سید سعید اللہ مازارہ	۲۱
حجِ مبرور	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	۲۷
دعا کی حقیقت اور فوائد و ثمرات	مولانا محمد امین دوست	۳۱

فی شمارہ: ۱۵ روپے

سالانہ بدل اشتراک: ۱۴۰ روپے + ڈاک خرچ

خط و کتابت کا پتہ: مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس

پشاور

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

محبت اور اُس کی قسمیں

جو مؤمن ہے وہ عاشق الٰہی ہے قرآن کریم میں ہے

﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط ﴿ (سورۃ البقرۃ۔آیت ۱۶۵)

یعنی جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔

اللہ کو دل دے بیٹھنے کا نام ایمان و اسلام ہے ۔

محبت تو اے دل بڑی بات ہے　　یہ کیا کم ہے جو اسکی حسرت ملے

ہر مؤمن کے دل میں اللہ کی محبت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہوتا ہے۔ جہاں ایمان ہوگا وہیں خدا تعالیٰ کی محبت ہوگی۔محبت کی دو صورتیں ہیں، ایک ہے طبعی محبت یا فطری محبت اور ایک ہے عقلی یا شرعی محبت۔انسان کی فطرت کے اندر اللہ نے اپنی محبت کو رکھا ہے۔اللہ پاک نے ازل میں جب روحوں کو پیدا کیا اور پھر ان پر اپنی ربوبیت کی تجلی فرمائی تو انسانوں کی روحوں میں اللہ تعالیٰ کا تعلق اور محبت مرتسم ہوگئی۔ایسا پتھر دل کون ہوگا جس کے دل میں خدا کی محبت نہ ہو۔

وہ شہ دلربا جب سامنے آجائے ہے　　تھامتا ہوں دل مگر پہلو سے نکلا جائے ہے

کسی کے ساتھ پیار و محبت کی چار وجوہ ہوتی ہیں۔یا تو کسی کے ساتھ محبت اس کے حسن و جمال کی وجہ سے ہوتی ہے یا اس میں کسی خاص فضل و کمال کی وجہ سے ہوتی ہے یا عطا و نوال یعنی احسان کی وجہ سے ہوتی ہے یا اس کی عظمت و جلال کی وجہ سے ہوتی ہے۔شریف آدمی اپنے محسن کا چاہنے والا ہوتا ہے۔خدا سے زیادہ جمال والا کون ہوگا، وہ ذات عالی خود کتنے جمال والی اور حسین ہوگی جس نے تمام حُسن کو پیدا کیا ہے ”اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ (بخاری)“ (اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے) کمال کے لحاظ سے دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ با کمال ہستی کس کی ہوگی۔سب کمال و جمال حسن و خوبی و نوال اسی کیلئے ہے۔بہت پیاری بہت اعلیٰ اور سب سے ارفع اکمل و اجمل اسی کی ذات ہے۔جس جگہ اور جہاں بھی، جو کچھ کسی کو ملا ہے، ملتا ہے یا ملے گا اسی کی ذات سے ملا ہے ملے گا اور ملتا ہے۔تو کیا ایسا دینے والا پیار و محبت اور جی میں بسانے کے قابل نہیں ہے؟ جسم دیا، جان دی، روح دی، نان دی، اگر وہ نہ چاہے تو کیا ہم ایک پل کے لئے

بھی زندہ رہ سکتے ہیں؟ اس سے زیادہ عظیم الشان ہستی کس کی ہے؟ گویا جتنی بھی خوبی ومحبوبی وکمالات کسی کے دل کو کھینچ سکتے ہیں وہ اللہ کی ذات میں ہیں۔ اسلئے اللہ نے اپنے اسم ذات کو اللہ بتایا ہے۔ اللہ کا لفظ وَلَہٌ سے نکلا ہے۔ وَلَہٌ اس جلن اور کڑہن کو کہتے ہیں جو کسی کی محبت کی وجہ سے دل میں ہوتی ہے۔ تو اللہ کے معنی کیا ہوئے دلوں کا پیارا، جس کی محبت میں دل جل اٹھے۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ اللہ کا ترجمہ ہندی میں ''من موہن'' کیا کرتے تھے۔

ع موہنی سی صورت جو دیکھی، دل کو پیار آ ہی گیا

موہن ایک عجیب لفظ ہے۔ موہن کے معنی ہیں جو دل کو پیار سے لے لے۔ دل کے اندر آ جائے اور دل کسی کے ساتھ پیوستہ ہو جائے۔ تو اللہ کے معنی کیا ہوئے؟ من موہن یعنی دلوں کا محبوب۔ تو جب اللہ تعالیٰ سے پیار نہ کروگے تو کیا بلی چوہے سے کروگے، کھٹمل اور پسو سے کروگے؟ جب اللہ تعالیٰ اتنا پیارا ہے تو اس کے ساتھ شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ جب دل میں دوسروں کی محبت بسائی جاتی ہے تو یہ ظلم ہے۔ جب دوسروں کی محبتوں کو دل میں ڈالتے ہو تو یہ شرک کرتے ہو۔ خدا کے ہوتے ہوئے کسی کو دل میں بساتے ہو، کسی سے محبت کرتے ہو۔ اس جیسے کریم ورحیم ومحسن سے جی چاہتا ہے کہ خوب پیار کرے۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت، کہ رات دن
بیٹھا رہوں تصور جاناں کیئے ہوئے

ایک گڈریا جنگل میں بیٹھا ہوا تھا اور کہتا تھا کہ اے خدا تو کہاں ہے کہ میں تیرے پاؤں دباؤں، تیرے لئے روغنی روٹی پکاؤں، تیرے سر میں جوئیں ڈھونڈوں۔ حضرت موسیٰؑ کا اس پر گزر ہوا تو پوچھا کہ تو کس سے باتیں کر رہا ہے؟ کہا کہ اس ذات سے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ کافر ہو گئے۔ کیا اللہ پاک کو بھی چاپی کی ضرورت ہے اور روٹی کی ضرورت ہے؟ اور کیا اللہ کو جوئیں لگتی ہیں؟ بس موسیٰؑ تو تھے جلالی ایک تھپڑ رسید کیا اور وہ بھاگ گیا۔ موسیٰؑ پر اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ میرا بندہ میرے ساتھ لگا ہوا تھا تو نے اس کو مجھ سے جدا کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا کہ اللہ میاں وہ تو کفر بک رہا تھا۔ اللہ نے فرمایا۔

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

کہ تو تو میرے بندوں کو میرے ساتھ جوڑنے کے لئے آیا ہے نہ اس لئے کہ میرے بندوں کو مجھ سے جدا کرے۔ جا کر اسے تلاش کر کے لاؤ۔ پیچھے گئے اور تلاش کیا اس نے کہا کہ موسیٰؑ! تیرا ایک تھپڑ مجھے پار کر گیا۔ جو اللہ میاں نے دینا تھا وہ دے دیا۔ میری محبت طبعی تو تھی، تیرے تھپڑ نے مجھ کو شرعی محبت کے مقام پر پہنچا دیا، اب سمجھ گیا کہ محبت طبعی، محبت شرعی کے ماتحت ہونی چاہئے۔

حضرت سید صاحب فرماتے تھے کہ جوش طریقت ہوش شریعت کے تابع ہو۔ طبعی محبت ہر ایک میں ہو سکتی ہے، یہ محمود ہے لیکن مقصود نہیں۔ مقصود شرعی یا عقلی محبت ہے، جو حدود الٰہی کی پابند ہو۔ ایک عاشق وہ ہوتا ہے جو اپنے جذبات کو اور چاہتوں کو دیکھتا ہے۔ ایک عاشق وہ ہے جو محبوب کے جذبہ اور چاہت اور مرضی کو دیکھتا ہے۔ عاشق حقیقی وہ ہے جو محبوب کی چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کرے۔ جو اپنی چاہت پر قربان ہوتا ہے، وہ ابوالہوس ہے۔

ع ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

عشق نام ہے محبوب کی چاہت پر اپنی چاہت قربان کرنے کا۔ ایک حدیث ہے

﴿لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت بہ﴾۔

یعنی تم میں اُس وقت تک کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کی چاہت نفس اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جو میں لیکر آیا ہوں۔ جس نے محبوب کی چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کیا وہ سچا عاشق ہے اور جو اپنا دل خوش کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ محبوب کا دل خوش کر رہا ہوں وہ دھوکہ میں ہے۔ بدعتی لوگ بھی بدعتوں میں مبتلا ہو کر اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرتے ہیں حالانکہ محبّ، محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔ محبت طبعی کا تقاضا تو اس دیوانے کی طرح ہے جس نے کہا تھا کہ اے اللہ تو کہاں ہے کہ تیری جوئیں نکالوں اور تیرے لئے روغنی روٹی پکاؤں، لیکن محبت شرعی کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کو ایسے چاہو جیسے خدا چاہتا ہے۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لئے میں خدا چاہتا ہوں

خدا کی محبت میں اللہ کی عظمت و ادب کا لحاظ ہو، بقول سیدۃ الملۃ سید سلیمان ندویؒ:

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو

مجال ہے کہ کوئی ان کو ہم کنار کرے

خدا کی محبت ادب کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے۔ خدا کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبت الٰہی عظمت الٰہی، خشیت الٰہی اور حکم الٰہی کے ماننے کے ساتھ ہو۔ محبت جتنی بڑھتی جائے اتنی تعمیل حکم رب بڑھتی چلی جائے۔ خدا کی خشیت سانپ بچھو والا ڈر وخوف نہیں، بلکہ خدا کی خشیت یہ ہے کہ ہر وقت یہ اندیشہ رہے کہ کہیں خدا ناراض نہ ہو جائے کہ کہیں اللہ تعالیٰ روٹھ نہ جائے اپنا چہرہ مبارک نہ پھیر لے۔ ایک عارف کا قول ہے کہ قرآن میں جو سخت آیت ہے وہ یہ ہے۔

﴿كَلَّآ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ۝﴾ (سورۃ المطففین، آیت ۱۵)

ترجمہ: ہرگز نہیں یہ لوگ اس روز اپنے رب کا دیدار دیکھنے سے روک دیے جاویں گے۔

کہ اللہ تعالیٰ حجاب میں ہونگے، حب الٰہی کا تقاضا خشیت الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو۔ سارا شہر ناراض ہو اور ایک اللہ راضی رہے تو کوئی پرواہ نہیں۔ اور پوری دنیا راضی اور خوش ہو اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو تو یہ بڑے نقصان اور خطرے کی بات ہے کہ دل کا بادشاہ اللہ تعالیٰ اور وہ ناراض ہو۔

ع دل جس سے ہے زندہ وہ تمنا تم ہی تو ہو

جس ذات عالی میں دل اٹکا ہوا ہے اور وہ ناراض ہو تو کیا حاصل۔

میر درد کا ایک شعر ہے:

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اللہ تعالیٰ راضی، تو سب راضی، اور وہ ناراض، تو سب ناراض۔ حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ ہے کہ تمام دنیا تم کو قطب وابدال کہے اور خدا کے نزدیک تم دال ہو تو کیا حاصل۔ اور اگر ساری دنیا تم کو کتے وخنزیر سے بدتر سمجھے، اور خدا کے نزدیک تم مقبول ہو تو کیا نقصان۔ مخلوق کی مدح وذم کا غم نہ کرو۔

ع عاشق بدنام کو پرواہِ ننگ ونام کیا

یہ عاشق سوختہ سامان ہوتے ہیں، محبت ایک تیر ہے جو دل میں لگتا ہے۔ یہ روشنی کا تیر ہے انگریزوں کے تیر کی طرح اندھیرے کا تیر نہیں۔ اور جب یہ محبت کا تیر دل میں پیوست ہو جاتا ہے، تو پھر یہ حالت ہوتی ہے ۔

ہمه شہر پر زخوبان منم و خیال ماہے

چه کنم که چشم یك بین نه کند بکس نگاہے

تمام شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے لیکن میں کیا کروں کہ میری آنکھ جو ایک کو دیکھنی والی ہے کسی کی طرف نگاہ ہی نہیں کرتی اور بقول سلطان باہو:

یکے گویم یکے پویم یکے در دل چوں گل رویم

نه پویم غیر الا ھو نه جوئیم غیر الا ھو

ترجمہ: ایک کہتا ہوں، ایک جانتا ہوں اور ایک کو دل میں پھول کی طرح اگاتا ہوں۔ نہ تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو جانتا ہوں اور نہ کسی کو ڈھونڈتا ہوں۔

لا الہ الا اللہ کی تکمیل بغیر حب تام کے ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلئے فرمایا

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط﴾ (سورۃ البقرۃ۔ آیت ۱۶۵)

جو مؤمن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔

عاشق ضابطوں کا پابند نہیں ہوتا۔ اور نہ ''کیوں'' اور ''کیسے'' کے چکر میں ہوتا ہے بلکہ:

عاشقی چیست بگو بنده جانان بودن

دل بدستِ دیگرے دادن و حیران بودن

یعنی دل دے کر اس کے کہے پر چلنے کا نام محبت ہے۔ محبت جتنی بڑھتی چلی جائیگی اتنی تعمیل حکم بڑھتی چلی جائیگی۔ اگر تعمیل حکم نہ ہو اور نری محبت ہو تو یہ محبت کا دعویٰ ہے جو نری چھاچھ ہے۔ جس محبت میں اتباع ربّانی نہیں تو وہ اپنا چاہنے والا ہے حالانکہ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ:

ارید وصاله وھو یرید ھجری فترکت ما ارید لما یرید

کہ میں تو اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ ہجر چاہتا ہے پس میں نے وصال کی طلب چھوڑ دی اور اسی کی خوشی کیلئے ہجر پر راضی ہوگیا۔

ع در ظاہر ہر چیز، باطن او مضمر است

ہر چیز کے ظاہر میں اس کا باطن چھپا ہوا ہوتا ہے۔

جیسے دوا کا اثر دوا کے اندر ہوتا ہے۔

اے خفی الذات محسوس العطا

أنت کالریح ونحن کالغبار

اے چھپی ہوئی ذات جس کی عطائیں محسوس ہو رہی ہیں، تو گویا ہوا کی طرح ہے اور ہم غبار کی طرح ہیں۔

ع تو مثال شادی مافر خندہ ایم

ترجمہ: تیری مثال خوشی کی ہے اور ہم ہنس رہے ہیں۔

عشق بامردہ نباشد پائیدار

عشق را یاحی وبا قیوم دار

ترجمہ: مُردوں کے ساتھ عشق ناپائیدار ہوتا ہے عشق حی وقیوم کے ساتھ کرو۔

بقول اقبال ؎

ہم خوگر محسوس ہیں ساحل کے خریدار

اک بحر پر آشوب وپرُ اسرار خودی ہے

آدھ گھنٹے میں کیا بتائیں۔ مولانا روم نے کہا ہے کہ خرد کے کوچے سے نکلے اور عشق کے کوچے میں آ گئے۔ عشق کس سے ہو کیسے ہو۔ کیا ماہیت ہو۔ سب کا جواب یہ ہے محبت وعشق کے سزاوار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ میرے نزدیک مثنوی کے ۱۳۲ ابتدائی اشعار میں پوری مثنوی کے ۳۳ ہزار اشعار کی روح کھچ آئی ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند وز جدائی ہا شکایت می کند

مولانا رومؒ کے نزدیک انسان نرا جسم ہی نہیں بلکہ روح بھی ہے اور روح کے بھی تقاضے اور ضروریات ہیں۔ روح چونکہ اللہ کا امر ہے اس لئے اس کا اطمینان اور ٹھہراؤ اللہ کے تعلق و محبت میں ہے،

میری چاہت تیری چاہت، تیری چاہت میری چاہت والا معاملہ ہو جائے۔

میل ما سوئے وصال ومیل او سوئے فراق

ترک کار خود گرفتم تابرآید کار دوست

کہ میرا میلان تو وصال کی طرف ہے لیکن اس کا میلان فراق کی طرف ہے۔ میں نے دوست کے میلان کو پورا کرنے کیلئے اپنے میلان اور خواہش کو قربان کر دیا۔

فراق و وصل چه باشد رضائے دوست طلب

که حیف باشد از او غیر او تمنائے

کہ فراق و وصل کیا چیز ہے؟ دوست کی رضا کی طلب کرنی چاہیئے۔ اللہ سے سوائے اس کے اس کے غیر کی خواہش کرنا اس پر تو بہت افسوس ہے۔

اللہ کے بن کر اسی میں لگے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی چاہت پر اپنے کو قربان کر دو، جو بھی تصرف کرے تکویناً ہو یا تشریعاً اس کے لئے تیار رہو، اور اس پر دل سے راضی رہو۔ جان بھی اگر اس کی رضا کے حصول میں چلی جائے تو سستا سودا ہے۔ مجاز والوں نے مجاز میں کہاں کہاں تک کہا ہے۔

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہکن

بازی اگر نہ لے سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز

اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

مولانا رومؒ نے فرمایا ہے:

عشق مولی کے کم از لیلیٰ بود

گوئے گشتن بہر او اولی بود

اللہ تعالیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کیسے کم ہوسکتا ہے۔اس کے لیے پولو کا گیند بننا زیادہ بہتر بات ہے۔

یعنی جیسے چوگان (پولو) کا گیند مار مار کر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر پھینکا جاتا ہے، اسی طرح اللہ کے تصرفات کے سامنے اپنے آپ کو چوگان کے گیند کی طرح پیش کرو اور یہ تصرفات تو اللہ کی طرف سے وہ تراش وخراش ہے، جو مالی باغ میں کرتا ہے تاکہ باغ خوبصورت ہوجائے۔اگر یہ تصرفات نہ ہوں تو آدمی نہیں بنتا۔اگر من جانب اللہ اتنی تکالیف آجائیں کہ اللہ تعالیٰ کچومر نکال دے تو بھی مزہ آئے۔یہ تصرفات نفس کی ''میں'' کو مارتے ہیں۔نفس کی ''میں'' نہیں چاہتی کہ مٹ جاؤں۔اور اس عشق کا تقاضا ہے نفس کی ''میں'' کو مٹایا جائے۔

ہُو میں اتنا کمال پیدا کر کہ جز ہو کے غیر ہو نہ رہے
اور اتنا مٹا دے اپنی ہستی کو تا تری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

ایک دفعہ ہمارے شہر کے مکان میں ایک سانپ نکل آیا۔ہمارا ایک طاقتور ملازم تھا، اس نے فوراً دُم سے پکڑا اور دو تین دفعہ زمین پر مارا تو سانپ ختم ہوگیا اور اس کا بَل بھی ختم ہوگیا۔تو اللہ تعالیٰ کے یہ تصرفات، ہمارے بَل کو ختم کردیتے ہیں اور جب یہ بَل نکلتے ہیں تو نفس سدھر جاتا ہے اور اس سے پھر انسان حقیقت میں انسان بن جاتا ہے۔محبت کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرو وہ جو بھی تصرف کرے اس کے لئے دل سے تیار ہوجاؤ۔

زخم پہ زخم کھا کے جی اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے دل لگی نہیں

سب کچھ میں اپنی فلاح و بہبود سمجھنا اور یہ کہنا کہ اس میں میری خیر ہے۔کیونکہ حکیم کی کوئی بات خیر سے خالی نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ کی چٹکی بھی ازدیاد محبت کا سبب ہے۔حضرت تھانویؒ نے ایک مثال دی ہے کہ اگر تم کسی راستے پر چل رہے ہو پیچھے سے کوئی آیا اور اس نے بہت زور سے دبایا۔آپ غصہ سے لال پیلے ہوگئے لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارا محبوب ہے تو پھر دل چاہے گا کہ اور دبا لے۔

دل بوقت جان سپردن اسکے زیر پائے ہے

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

یعنی جان دینے (موت) کے وقت دل محبوب کے پاؤں کے نیچے ہے۔ اللہ اکبر اتنی خوش نصیبی کہ خوشی سے لوٹنے کا مقام ہے۔

راضی بہ رضا رہو۔ حضرت شیخ جیلیؒ کا قول ہے کہ اپنی رضا کو اللہ کی رضا پر قربان کردو تو دنیا میں جنت کا مزہ پالوگے موت بھی پیاری ہوجائیگی۔

مزہ جو مرنے کا عاشق کبھو بیان کرتے

مسیح و حضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

ہمارے حضرت شاہ صاحب ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکون خاطر بھی کم نہیں ہے

کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

خرم آن روزے کزین منزل ویران بروم

راحت جان طلبم وزپئے جانان بروم

ترجمہ: جس دن اس ویران منزل (دنیا) سے جاؤں گا تو اس دن کتنا خوش ہوں گا۔ جان کی راحت مانگوں گا اور جانان کے پاس چلا جاؤں گا۔

محبت ایک ایسا محرک (Incentive) ہے، جس نے حضرت ایوب انصاریؓ کو موت کے بعد بھی اللہ کے راستے میں چلایا تھا۔ محبت سیماب ہے، اس کی بیقراری میں بھی قرار ہوتا ہے۔ خدا کی محبت کو اپنی زندگی کا مقصد اور توشہ بناؤ۔ جب مؤمن ہوا تو محبت کی چنگاری تو ضرور ہوگی۔ بہر حال جب ایمان ہے تو محبت الٰہی تو ہے لیکن یہ محبت اور محبتوں کے نیچے دب گئی ہے اور مغلوب ہوگئی ہے۔ بس اتنی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ محبت دوسری محبتوں پر غالب آجائے اور خدا کے لئے سب کچھ قربان کرنا پڑے تو انسان قربان کرے۔

ایک شخص ہمارے بزرگوں میں سے کسی کے پاس آئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت تو ہے لیکن شادی کے

بعد خدا کی محبت سے زیادہ دلہن کی محبت ہے۔اس بزرگ نے کہا کہ اگر تیری دلہن خدا اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور خدا اور رسول کو برا کہے تو پھر کیا کروگے۔ کہا کہ اس کے بال کٹوا دوں گا۔فرمایا کہ محبت اب بھی موجود ہے لیکن دبی ہوئی ہے۔اسی طرح ایک آدمی ایک بزرگ کے پاس آئے اور کہا کہ مُجھے اپنے والد صاحب سے خدا سے زیادہ محبت ہے۔ وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اللہ تعالیٰ کے شان عالی صفات و کمالات کا تذکرہ شروع کر دیا۔اللہ کے کمالات کے تذکرہ کے بیچ میں اس کے والد کا تذکرہ اور اس کے والد کی خوبیاں بیان کرنی شروع کر دیں۔تو اس آدمی کو بُرا لگا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے تذکرہ کے دوران میرے باپ کا تذکرہ غیر مناسب ہے۔میرے باپ کی اللہ کی خوبیوں اور کمالات کے سامنے کیا حیثیت ہے۔اس بزرگ نے کہا کہ دیکھ لیا کہ اللہ کے ساتھ محبت زیادہ ہے یا والد کے ساتھ۔اللہ کی دبی ہوئی محبت کو زیادہ کرنا چاہیئے۔دل جلوں کی صحبت میں بیٹھو گے تو دل میں محبت کی آگ اور سوز پیدا ہوگا۔جیسے کہ کہا گیا ہے

جو آگ کی تاثیر وہی عشق کی تاثیر

ایک خانہ بہ خانہ ہے اک سینہ بہ سینہ ہے

یہ محبت کی چنگاریاں بھی دلوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔اہل حق کی صحبت کو اختیار کرو۔

''بسان کاغذ آتش زدہ گل وبو''

کاغذ جل جاتا ہے تو پھول بن جاتا ہے،اسی طرح خدا کی محبت کا جلا ہوا پھول بن جاتا ہے۔اس کے عشق و محبت کی آگ میں جل کر تو دیکھو۔اس کے احکام کی تعمیل اس کی رضا کے لئے اختیار کرو۔اور اللہ سے اللہ کے احکام کی تعمیل پر اس کی رضا اور محبت مانگو۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی دُعا ہے۔

دلم ا زنقش باطل پاك فرما

برائے خود مرا چالاك فرما

اے اللہ میرے دل کو باطل کے نقش سے پاک کر اور مُجھے اپنے لئے ہوشیار فرما۔

گرچه نالائقم قدرت تو داری که خار عیب از جانم برآری

اگر میں نالائق ہوں تو تو قدرت والا ہے کہ عیب کا کانٹا میرے دل سے نکال دے۔

اے اللہ اپنی محبت کی ایسی آگ لگادے کہ کبھی بُجھ نہ پائے۔ یہاں تک کہ تو مُجھ سے راضی ہوجائے۔قرآن نے محبت کانسخہ بتایا ہے

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝﴾ (سورۃ مریم۔ ۹۶)

یعنی جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال اختیار کئے اللہ ان کیلئے محبت کو پیدا کردیں گے۔

تیسری چیز وہ اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر رضائے حق کے لئے کرو۔اور خدا کے دھیان اور محبت میں ڈوب کر کرو۔

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیر دور جام ہے
جب میرا مقصود ہے تیری رضا
پھر مُجھے تیرے سوا کیا کام ہے
کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرنیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
دل تمہارے سامنے ہے اپنی نظریں ڈھونڈلو
کیا بتاؤں میں کہ کس گوشے میں پنہاں ہوگئیں
وہ دیکھ رہا ہے میرے دل اور جگر کو
میں دیکھ رہا ہوں اس کی دُزدیدہ نظر کو

اللہ تعالیٰ نے اپنی نگاہیں میرے دل کی طرف فوکس (مرکوز) کی ہوئی ہیں۔اس کی پیار بھری نگاہیں میرے دل کوموہ رہی ہیں۔ایک تسبیح انسان کوکہاں سے کہاں تک پہنچادیتی ہے۔

منزل عشق بسے دور د دراز است ولے

طے شود جادہ صد سالہ بہ آہے گاہے

ترجمہ:عشق کی منزل بہت دور دراز ہے لیکن کبھی کبھی سینکڑوں سالوں کا راستہ ایک آہ میں طے ہو جاتا ہے

ذکر مع الحقیقت ہو، اہل محبت کے تذکرے پڑھو۔سب سے بڑے محبین انبیاءؑ ہیں۔ پھر صحابہ ہیں اور پھر اولیاء عظام ہیں اور جس طرح وہ اللہ کے پیام کو کوچے کوچے میں پھراتے رہے تم بھی اس کو کرو۔

ع ہم عاشق تیرے نام کے در در ہمیں رلنا پڑا

پچھلی رات میں اُٹھ کر رب سے اس کی محبت مانگو جب کوئی بھی نہ ہو۔

﴿وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۝﴾ (مزمل:۸)

ترجمہ:اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَ حُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُ اِلٰی حُبِّکَ﴾ (الترمذی)

اے اللہ میں تُجھ سے تیری محبت چاہتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت چاہتا ہوں جو تیرے ساتھ محبت کرتے ہیں۔اور اس عمل کی محبت چاہتا ہوں جو مُجھ کو تیرے قریب کرے۔

﴿اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ ۝﴾

اے اللہ میں تُجھ سے تیری ایسی محبت چاہتا ہوں جو میرے نفس میرے اہل و مال اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ ہو۔

محبت محبت محبت محبت بڑا لطف دیتا ہے نام محبت

میرے سامنے لو نہ نام محبت چھلک جائے گا ہائے جام محبت

وزمحبت تلخہا شرین شود

وزمحبت سر کہا انگبین شود

ترجمہ:محبت سے تلخ چیزیں میٹھی ہو جاتی ہیں اور محبت سے سرکہ شہد بن جاتا ہے۔

؎ اسی دردِ محبت سے ہوا میں عارفی رسوا اسی درد محبت نے بنایا باخدا مُجھ کو

حریم دل سے باہر آ کے ڈھونڈو تو ذرا مُجھ کو تمہاری یاد کی محویتوں نے کھو دیا مُجھ کو

انجینئر قیصر علی

سفر نامۂ چین (قسط نمبر:۳)

بیجنگ میں جمعے کی نماز

یہ سات نومبر کا دن تھا۔ ہم صبح اُٹھے۔ رات کو خوب برف باری ہوئی تھی۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو ہر طرف ایک سفید چادر بچھی ہوئی نظر آئی۔ آج ہمارے پروگرام میں صبح 8:30 بجے اپنی بلڈنگ سے باہر ایک اور جگہ جانا تھا۔ جہاں پر زلزلوں کو ریکارڈ کرنے والے آلات لگے ہوئے تھے۔ تقریباً 2 گھنٹے میں ہم فارغ ہوئے۔ راستے میں میں نے Miss Sue (جو کہ ہماری پروگرام کی خاتون کوآرڈینیشنر تھی) سے کہہ دیا تھا کہ آج جمعے کا دن ہے اور میں مسجد میں نماز پڑھنے جاؤں گا۔ اُس نے میرے ساتھ ایک چینی لڑکے کی ڈیوٹی لگا دی۔ یہ چینی لڑکا ہمارے ساتھ لیکچرز میں بھی بیٹھتا تھا۔ بعد میں میری اُس کے ساتھ کافی دوستی ہوگئی اور ابھی تک E.mail کے ذریعے اس سے رابطہ ہے۔ اسکا چینی نام مجھے چودہ دن میں یاد نہ ہوسکا۔ اس لڑکے نے اپنا تعارف کراتے ہوئے جب دیکھا کہ میں باوجود کوشش کے اسکا نام نہیں پکار سکتا تو مجھے کہا کہ میرے نام کا مطلب ریچھ ہے لہٰذا آپ مجھے Mr. Bear کہہ سکتے ہیں۔ میں آخر تک اسے اِس نام سے پکارتا رہا۔

تقریباً 12:00 بجے ہم دونوں ٹیکسی میں سوار ہوکر مسجد کی طرف نکل پڑے۔ راستے میں مجھے Mr. Bear نے کہا کہ یہ مسجد بیجنگ بلکہ پورے چین کی بڑی مسجد ہے۔ چونکہ Bear کا تعلق خود بیجنگ سے نہیں تھا لہٰذا اس کو بیجنگ کے متعلق اتنی زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ اگر بیجنگ کا ہوتا بھی تو تین کروڑ کی آبادی والے شہر میں مسلمانوں کی قلیل تعداد اور اُن کے عبادت خانوں کے متعلق معلومات نہ ہونا کوئی اچنبے کی بات نہ تھی۔ مسجد کے قریب پہنچ کر Bear نے ایک آدمی سے چینی زبان میں کچھ پوچھا اور پھر مجھے کہا کہ سامنے والی عمارت مسلم چرچ ہے میں نے اُسے کہا کہ مسلمانوں کے عبادت خانے کو چرچ نہیں مسجد Mosque کہتے ہیں۔

ٹیکسی سے اُتر کر ہم مسجد کی طرف چلے۔ باہر سے عمارت کا نقشہ دیکھ کر مجھے ڈر ہوا کہ کہیں واقعتاً چرچ میں نہ لایا ہو۔ قریب جاکے دیکھا تو سنگ مرمر کے ایک سفید تختے پر مسجد کا نام لکھا ہوا تھا۔ مسجد کے باہر داخلی گیٹ کی ایک طرف ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا۔ جب ہم اندر جانے لگے تو اُس میں موجود ایک شخص نے چینی زبان میں Bear سے کچھ پوچھا اور سوال جواب کیا۔ Mr. Bear نے مجھے بتایا کہ یہ آدمی کہہ رہا

ہے کہ یہاں صرف مسلمان اندر جاسکتے ہیں۔ میں نے اسے کہا کہ ٹھیک ہے آپ 2:30 تک میرا انتظار کریں ۔اُس وقت ڈیڑھ بجنے میں چند منٹ تھے لیکن لوگوں کے آرام آرام سے اندر داخل ہونے سے مجھے اندازہ ہوا کہ نماز کا وقت 2:00 بجے یا شاید اُس سے بھی لیٹ ہو۔ Mr. Bear نے مجھے مزید کہا کہ یہ آدمی کہہ رہا ہے کہ اگر آپ کے دوست نے اپنے آپ کو دھویا نہیں ہو (یعنی وضو کا کہہ رہا تھا) تو اندر انتظام ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے سب کچھ کیا ہے۔ لہٰذا میں اُس کو وہیں چھوڑ کر اندر داخل ہوا۔ مسجد کا نقشہ کچھ اس طرح تھا کہ نماز پڑھنے کی پوری جگہ تو ایک بڑے ہال پر مشتمل تھی۔ باہر تھوڑی سی جگہ کھلی تھی۔ ایک طرف کچھ غسل خانے وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ کھلی جگہ میں کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے تھے۔ میں ہال کے اندر داخل ہوا تو ایسا لگا کہ اس ہال کی وسعت میں کئی دفعہ اضافہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہال کے فرش کی سطح برابر نہیں تھی، کہیں نیچے کہیں اوپر تھی۔ دیواریں، فرش اور چھت ہر چیز لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ باہر سے طرزِ تعمیر ایسا نظر آتا تھا جیسا کہ ہمارے ہاں کسی چائنیز ہوٹل کا ہوتا ہے۔ ہال میں لوگوں پر نگاہ ڈالی تو ہر عمر کے لوگ نظر آئے۔ میں ہال کے آگے والے حصے میں گیا تو دیکھا کہ ایک نوجوان چینی مسلمان سر پر سفید پگڑی باندھے ہوئے سفید کپڑوں میں ملبوس چینی زبان میں بہت زور زور سے تقریر کر رہا ہے۔ لیکن یہ ممبر پر بیٹھا ہوا نہیں تھا بلکہ ہال میں ایسی جگہ پر کھڑا تھا کہ کچھ صفیں اس کے پیچھے تھی اور اس کے سامنے ایک میز رکھا ہوا تھا۔ جس پر کچھ کاغذ پڑے ہوئے تھے اور یہ کبھی ایک کاغذ اور کبھی دوسرا اُٹھا کر بہت زور زور سے بول رہا تھا۔ میں تو اُس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ رہا تھا لیکن لوگ بڑے ادب اور غور سے اُسکی باتیں سُن رہے تھے۔ مسجد کا مزید جائزہ لیا تو دیکھا کہ امام کے مصلّے کے پیچھے اندازاً آٹھ آدمیوں کے کھڑے ہونے کے برابر جگہ باقی مسجد سے تقریباً ایک فٹ اُونچی تھی۔ وہاں پر چھ سات آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ سب آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے اور سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ وعظ کہنے والے مولوی صاحب کی طرف پیٹھ کئے ہوئے قبلہ رُخ بیٹھے ہوئے تھے۔ مسجد کی دائیں بائیں دونوں دیواروں کے ساتھ ساتھ قبلہ رُخ کرسیاں رکھی ہوئی تھی۔ کرسیوں کی تعداد اندازاً 20 ہوگی۔ جس پر بوڑھے اور بیمار نمازی حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ پاکستان میں بھی بیمار اور بوڑھے تو بہت ہوتے ہیں لیکن یہ انتظام میں نے پاکستان کی کسی مسجد میں نہیں دیکھا۔

وعظ کہنے والے مولوی صاحب نے اپنا وعظ ختم ہونے کے بعد آخر میں کچھ کہا یا پوچھا جس کا سب لوگوں نے یک آواز ہو کر جواب دیا لیکن میں اسے سمجھ نہ سکا۔ جب واعظ نے تقریر ختم کی تو سب لوگ سُنت

پڑھنے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔سُنت پڑھنے کے بعد آگے کی صف میں سے دواور آدمی اُٹھے۔ایک منبر پر بیٹھ گیا اور دوسرے نے اذان دی۔اذان دینے والے کی عمر تقریباً 20 سال اور خطبہ دینے والی کی تقریباً 30 سال ہوگی۔اذان دینے والے لڑکے نے کانوں تک ہاتھ نہیں اُٹھائے تھے بلکہ ایسے ہی اذان دی۔اذان سنی تو دل باغ باغ ہوا۔دیار غیر میں اذان سننے کی حلاوت کا پہلی مرتبہ تجربہ ہوا۔اذان ختم ہونے کے بعد خطبہ شروع ہوا۔پہلا خطبہ زیادہ تر فضائل رمضان پر مشتمل تھا اور دوسرا خطبہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ ہمارے ہاں ہوتا ہے۔ خطبہ پڑھنے کے بعد نماز پڑھنے لگے تو خطیب صاحب آگے ہوئے۔اقامت ہوئی،اسکے بعد امام صاحب نے تلاوت شروع کی۔پہلی رکعت میں **اِذاالسماءُ انفطرت** اور دوسری میں **قُل ھُواللہُ** پڑھی۔اور حنفی طریقے کے مطابق نماز ادا کی۔میں نے یہ بات نوٹ کی کہ لوگوں میں کوئی بھی رفع یدین نہیں کر رہا تھا لیکن آمین تقریباً سبھی لوگوں نے زور سے کہی۔نماز پڑھنے کے بعد میری بہت آرزو تھی کہ آگے کی صف میں شامل لوگوں اور امام صاحب سے مل لوں۔زبان یار من ترکی و من ترکی نه می دانم۔باہر نکلا تو جوتے غائب۔بہت تلاش کیئے لیکن نہ ملے۔دل کو یہ تو تسلی تھی کہ یہاں جوتے چوری نہیں ہوسکتے۔سوچ بچار کے بعد معلوم ہوا کہ میں غلط جگہ تلاش کر رہا تھا۔ہال میں اندر داخل ہونے کے کئی دروازے تھے۔میں نے ایک دروازے کے قریب اتارے تھے اور تلاش دوسرے دروازے کے پاس کر رہا تھا۔خیر جوتے مل گئے۔جوتے تلاش کرنے کے دوران تین اجنبی نوجوان میرے قریب آئے اور مجھ سے انگریزی میں پوچھا کہ اگر آپکے جوتے گم ہوئے ہیں تو ہم آپکو اپنے جوتے دے دیتے ہیں۔میں نے اُنکا شکریہ ادا کیا۔جب جوتے مل گئے تو میں اُن کے قریب گیا۔وہ بڑے تپاک سے ملے۔اسلام علیکم کہا۔تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ ایک لڑکے کا نام عبدالحکیم ہے۔اُس نے کہا کہ ہمارے دو نام ہوتے ہیں ایک چینی نام اور ایک عربی نام۔بعد میں پتہ چلا کہ پورے چین میں ہر جگہ ایسے ہی ہے، غیر مسلم دوسرے نام یعنی عربی نام کے بجائے انگلش نام رکھتے ہیں۔ عبدالحکیم نے مزید کہا کہ میں اورومچی صوبے سے ہوں۔یہ صوبہ چترال کے بہت قریب ہے۔یہاں پڑھنے کے لئے آیا ہوں۔مجھے یہ سُن کر بہت حیرانی ہوئی کہ عبدالحکیم کالج میں عربی ادب کا طالب علم ہے۔انگریزی بولنے میں اُسے کافی مشکل پیش آرہی تھی۔لہٰذا اُس نے مجھے کہا کہ تم عربی میں بات کر سکتے ہو۔میں نے اُسے بتایا کہ میں عربی نہیں بول سکتا،تو اُس نے بڑی معصومیت سے کہا کہ عجیب بات ہے آپ کو انگریزی تو آتی ہے اور داڑھی ہونے کے باوجود عربی نہیں آتی۔اور واقعی یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ ہمارا نظام تعلیم ہی ایسے ہے کہ

جس سے گزر کر بندہ انگریزی سیکھ لیتا ہے اور عربی کے دو لفظ بھی نہ سمجھ سکتا اور نہ بول سکتا ہے۔ عبدالحکیم نے پاکستان اور پاکستان کے لوگوں کے متعلق بڑی محبت کا اظہار کیا۔ اُسکو اسلام آباد دیکھنے کی اور وہاں کی اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی بڑی خواہش تھی۔ کہہ رہا تھا کہ میں یہاں سے سکالرشپ کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ میرے والد کے پاس اتنے پیسے نہیں کہ مجھے اسلام آباد تعلیم کے لئے بھیج سکے۔ اُس نے بتایا کہ میرے والد صاحب بھیڑ بکریاں پالتے ہیں اور اُنکی اون بیچ کر گزارہ کرتے ہیں۔ چینی مسلمانوں کے متعلق عبدالحکیم سے اور دوسرے ذرائع سے جو تھوڑی بہت مزید معلومات ہوئیں۔ چینی حکومت کے مطابق وہاں مسلمانوں کی آبادی اٹھائیس ملین ہے جبکہ آزاد ذرائع کے مطابق چین میں مسلمانوں کی تعداد ایک سو اڑتیس ملین (تقریبا چودہ کروڑ) کے لگ بھگ ہے اور اکثر مسلمان اپنے مذہبی فرائض باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔

چین میں 1960 تا 1977 ثقافتی انقلاب (cultural relation) کے نام پر ہر قسم کی مذہبی رسومات پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ مذہب کو حکومتی جبر کے ذریعے لوگوں کی زندگیوں میں سے نکالنے کی کوشش کی گئی۔ اس انقلاب میں مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا لیکن مجموعی طور پر پورے چین میں اب بھی مذہبی لگاؤ مسلمانوں میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ چند سال پہلے چینی حکومت نے محدود مذہبی آزادی دی۔ اُس کے بعد مسلمانوں نے دوبارہ سے مساجد آباد کیں۔ اکثر لوگ روزے رکھتے ہیں اور کثیر تعداد جمعے کی نمازوں میں شریک ہوتی ہے۔ جو لوگ حج کے لئے جانا چاہتے ہیں وہ جا سکتے ہیں۔ یہاں ایک اور چیز دیکھی وہ یہ کہ جب ہم نماز سے فارغ ہو کر نکلے تو باہر کچھ خواتین کھڑی تھیں۔ جب سب لوگ نماز پڑھ کر مسجد سے باہر آئے تو یہ خواتین مسجد کے اندر داخل ہوئیں اور ایک جگہ وعظ سننے بیٹھ گئیں۔ غالباً یہ خواتین جمعے کو نماز کے بعد مسجد میں وعظ سننے آتی ہیں۔ چین جیسے ملک میں خواتین کا مسجد میں وعظ سننے کا لئے آنا بہت عجیب ہے۔ اسکے جواز اور عدم جواز کا پتہ تو علمائے کرام کو ہوگا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایسے گرے پڑے ماحول میں خواتین کا مردوں سے علیحدہ جمع ہو کر مسجد میں وعظ سننا ایک بہت بڑی غنیمت ہے۔

نماز پڑھ کر ہم باہر نکلے۔ قریب ہی ایک بڑی شاپنگ مارکیٹ تھی جس کے اوپر مسلم مارکیٹ لکھا ہوا تھا۔ عبدالحکیم نے بتایا کہ یہاں پر مسلمانوں کا ذبح کیا ہوا حلال گوشت ملتا ہے۔ جب میں نماز کے لئے آ رہا تھا اُسی وقت سے سوچ رہا تھا کہ ضرور مجھے وہاں سے حلال گوشت یا مرغی مل جائے گی اور اُس وقت سے جو منہ میں پانی آ رہا تھا اب بہنے کو ہوا۔ ہم مارکیٹ کی طرف روانہ ہوئے تو چند ہٹے کٹے گداگروں نے ہمارا راستہ روک

لیا اور مہمان سمجھ کر مجھ پر ہی حملہ کیا۔ میں نے ان کو کچھ پیسے دے کر جان چھڑانا چاہی لیکن جیب میں بڑے نوٹ تھے۔ چینی سکے کا نام یوان ہے۔ ایک یوان ہمارے سات روپے کے برابر ہے۔ جیب میں یوان سے کم کا نوٹ نہیں تھا۔ میں نے 20 یوان کا نوٹ نکالا۔ تو سب نے یکبارگی مجھ پر بڑا زوردار حملہ کیا کسی نے بازوں سے کسی نے ٹانگوں سے اور ایک نے تو گردن سے پکڑ لیا۔ میرے میزبان دوست بھی بے حد پریشان ہوئے۔ اُنھوں نے مجھے چھڑانے کی خوب کوشش کی لیکن لاحاصل۔ یہ تو اچھا ہوا کہ چین میں پولیس والوں کی بھرمار ہے ہر جگہ آپ کو چند پولیس والے ضرور ملیں گے۔ جنکی عمر میں 17,16 سال سے لے کر زیادہ سے زیادہ 23, 22 سال تک ہوتی ہیں ایسے ہی چند نوجوان پولیس والے جو کہیں قریب ہی موجود تھے اپنے ڈنڈے لے کر ان گداگروں پر برسانے لگے جس کے بعد میری جان خلاصی ہوئی۔ لیکن جب تک میں مارکیٹ سے سودا خرید کر وہاں سے چلا نہ گیا تب تک یہ گداگر 20 یوان کی امید میں دور دور سے میرا تعاقب کرتے رہے۔ عبدالحکیم نے مجھے کہا کہ چین میں گداگری جرم ہے لہذا پورے چین میں آپ کو بہت کم گداگر ملیں گے، وہ بھی عبادت گاہوں کے آس پاس۔ چین میں بے روزگاروں معذوروں وغیرہ کو حکومت کی طرف اتنے پیسے ہر ماہ مل جاتے ہیں جس سے اُن کا گزراوقات ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ لوگ ایک تو اپنی عادت سے مجبور ہیں اور دوسرے اُن کو کچھ نہ کچھ زائد آمدنی بھی ہو جاتی ہے۔ اگر چہ ان کو اکثر پولیس کی طرف سے مار بھی پڑتی ہے لیکن پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آتے۔ واقعی میں نے اپنی 14 دنوں کے سفر میں ماسوا ان بھکاریوں کے کوئی بھکاری نہیں دیکھا۔ مارکیٹ کے اندر گئے تو دیکھا کہ دنبے گائے اور مرغے کے تازہ گوشت کے علاوہ پکا ہوا گوشت بھی موجود تھا۔ میں نے تمام چیزیں دیکھ کر آخر کار ایک پکا ہوا مرغ خرید لیا۔ مرغ کو گردن اور سر سمیت سالم پکایا ہوا تھا۔ گردن شاید اس لئے چھوڑی ہوئی تھی کہ حلال کا نشان نظر آئے۔ خریدتے وقت دُکاندار نے خاص طور پر چھُری سے کاٹا ہوا گلا دکھایا۔ اسکے علاوہ میں نے کچھ بادام، چنے، انگور، اور کیلے بھی خرید لئے۔ واپس ہوتے وقت عبدالحکیم نے مجھے اپنا فون نمبر دیا۔ میں نے اُسے اپنے ہوٹل کا کارڈ اور اپنا E.mail پتہ بھی دیا۔ ٹیکسی میں واپس آتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ آخر میں اِن لڑکوں کے ساتھ مل کر کیوں اتنا خوش ہوا۔ اور آج جمعے کی نماز میں اذان، خطبہ، اقامت اور نماز میں اتنا مزہ کیوں آیا۔ بہت سوچ بچار کے بعد بھی میرے ذہن میں یہی بات آئی کہ جو میرا اللہ ہے، جو میرا رسول ہے وہ اِنکا بھی ہے۔ یہ مشترک رشتہ اتنا مضبوط اور اتنا پیارا ہے جس نے میرے لئے یہ نوجوان اور مجھے ان نوجوانوں کیلئے محبوب بنایا۔ میں سوچتا رہا کہ لوگوں نے اللہ کے دین کی

خاطر کہاں کہاں تک سفر کیا ہے۔ یہ مسجد تیسری صدی کے اوائل میں ایک عرب شیخ نصیر الدین نے بنائی تھی۔ جسکی قبر مسجد کے احاطے میں موجود تھی۔ بعد میں جب چنگیز خان کی اولاد چین کے اِس حصے پر قابض ہوئی اور بعد میں مسلمان ہوگئی تو انھوں اُس نے اس مسجد کو از سر نو تعمیر کیا وراس کے ہال کو وسیع کیا۔ اس وقت مسجد کا کُل رقبہ تقریباً ڈیڑھ کنال ہے۔ جس کو چین کی سب سے بڑی مسجد ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ایک اور بات جس کا میں نے خاص طور پر مشاہدہ کیا وہ یہ کہ ان لوگوں سے وہ مخصوص بُو بالکل نہیں آتی تھی اور عام طور پر ان مسلمانوں کی شکلیں چینیوں سے مختلف تھیں۔ ان کی ناک سیدھی اور آنکھیں موٹی تھیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ بہت پہلے جو عرب یہاں آئے تھے وہ یہیں رہ گئے اور اُن کی وجہ سے یہاں کے لوگ مسلمان ہوئے۔ انھوں نے یہاں شادیاں بھی کیں۔ اب بھی چین کا ایک علاقہ ہے جہاں پر کچھ لوگ چینی زبان کے علاوہ عربی زبان بھی بولتے ہیں۔ اس وجہ سے اکثر مسلمان چینیوں کی شکلیں عام چینیوں سے مختلف ہیں۔ رات کو میں نے مرغ گرم کر کے کھانے کی کوشش کی لیکن ڈائننگ ہال میں مخصوص بُو کی وجہ سے نہ کھا سکا اور سب لوگوں میں تھوڑا تھوڑا بانٹ دیا۔ انگور کھائے تو ذائقہ کچھ عجیب قسم کا تھا۔ زاہد علی اور محمد علی کو دیئے تو اُنھوں نے بھی اِسے انگور ماننے سے انکار کیا۔ کیلے البتہ ٹھیک تھے۔ بادام اور چنے بھی ذائقے میں مختلف تھے لیکن اتنے بُرے نہ تھے۔ چند دن بعد میں رات کے 10:00 بجے اپنے کمرے میں سو رہا تھا کہ ہوٹل منیجر نے اطلاع دی کہ کسی نے آپکے لئے خط اور تحفہ چھوڑا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں چیزیں کمرے میں لے آیا۔ دیکھا تو عبدالحکیم کا خط تھا۔ لکھا تھا کہ میں آپ سے ملنے کیلئے آیا تھا لیکن آپ لیکچرز میں تھے۔ اس لئے ملاقات نہ ہوسکی۔ مزید لکھا تھا کہ میں ایک طالبعلم ہوں میرے پاس زیادہ پیسے نہیں کہ آپکے لئے کوئی اچھا تحفہ لاتا لیکن میں اپنے علاقے کی ایک خاص چائے جو جوڑوں کے درد میں بہت مفید ہے لایا ہوں۔ اُمید ہے آپ قبول کریں گے۔ آپکا اسلامی بھائی عبدالحکیم۔

خط دیکھ کر فرط جذبات سے مجھے رونا آیا کہ اتنا خلوص۔ صرف اس وجہ سے کہ میں اسکا کلمہ گو بھائی ہوں۔ میں اکثر سوچتا تھا کہ چین سے اپنے مرشد ڈاکٹر فدا محمد صاحب کیلئے کیا تحفہ لے جاؤں۔ جب عبدالحکیم کا تحفہ پہنچا۔ تو فوراً دل میں آیا کہ یہی تحفہ ڈاکٹر صاحب کا ہے۔

☆☆☆☆☆

کپڑا پہننے کی دعا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَاوَ رَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ

حضرت سید سعید اللہ مازارہ

حفاظتِ قرآن مجید (قسط نمبر:۵)

کتابی حفاظت

کتابت قرآن مجید عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں:

عرب امی قوم تھے، ان میں اسلام سے پہلے لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔(هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ (الجمعه: ۲) ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے امی لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اِن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔'' (۲) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلَ (الاعراف ۷:۱۵۷) ترجمہ: ''جو لوگ اُس امی نبی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں''۔)

کہ یہ نبی امی اللہ کی آخری کتاب کی نازل ہونے والی آیات جس طرح سینوں میں حفظ کے ذریعے صحابہ کرام تک پہنچائے اسی طرح کتابت کے ذریعے بھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے پہلے عرب خط وکتابت کی طرف متوجہ ہوجائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل عربوں نے خط وکتابت کی اشاعت کی طرف توجہ دی اور قریش میں پہلے ابوقتیس بن عبد مناف بن زہرہ اور سفیان بن امیہ نے کتابت سیکھی جن کی وجہ سے قریش میں خط وکتابت کی اشاعت کی ابتداء ہوئی۔ (جیسا کہ البلاذری نے کہا ہے کہ اسلام سے کچھ عرصہ پہلے بنوطی کے تین افراد اسلم بن سدرہ، مرامر بن مرۃ اور عامر بن جدرہ نے بقہ میں عربی خط وضع کیا۔ انہوں نے عربی ہجاء کو سریانی ہجاء پر قیاس کیا ان سے اہل انبار نے سیکھا اور ان سے بشر بن عبدالملک الکندی نے اور اس سے سفیان بن امیہ اور ابوقتیس بن عبد مناف بن زہرہ نے ۱۲ فتوح البلدان ص ۴۷۷۔ نیز ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون ص ۴۱۸)

بعثت کے وقت کاتبین قریش:

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت مکہ معظّمہ میں قریش کے مندرجہ ذیل سترہ افراد خط وکتاب جانتے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن الجراح، طلحہ، یزید بن ابی اسفیان، ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، حاطب بن عمرو العامری القرشی، ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومی، ابان بن سعید بن العاص بن امیہ، خالد بن سعید بن العاص، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

العامری، حولیطب بن عبدالعزی العامری، ابوسفیان بن حرب بن امیہ، معاویہ بن ابی سفیان، جھیم بن الصلۃ بن مخرمتہ بن المطلب بن عبدمناف اور قریش کے حلفاء میں سے علاء بن الحضر (البلاذری فتوح البلدان ۴۷۷، ابن عبدربہ: عقد الفرید ۴:۱۵۶، جرجی زیدان: کتاب تاریخ اداب اللغۃ العربیہ ۱:۲۰۴)

آغاز دعوت میں اسلام قبول کرنے والے کاتبین:

اِن مذکورہ بالا کاتبین میں سے حضرت عثمان، طلحہ، ابوعبیدہ بن الجراح، ابوسلمہ بن عبدالاسد (ابن کثیر: البدآیۃ والنھایۃ ۳:۲۹)، خالد بن سعید (الزرکلی: الاعلام ۲:۳۷۷) اور حضرت علی کرم اللہ وجھہ وو جوھھم (ابن کثیر ۳:۲۹ البدایۃ ولنھایۃ ۳:۲۹) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی دعوت پر لبیک کہا۔ خلاصہ یہ کہ آغاز دعوت سے قرآن مجید کی کتاب کا پورا انتظام موجود تھا۔

قرآن مجید میں خط وکتابت کی ترغیب:

قرآن مجید نے خط وکتابت کی اہمیت اور اس کے نافع ہونے کی طرف توجہ دلائی۔ سب سے پہلی وحی میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اپنی نعمتوں کی طرف توجہ دلانے کے لئے اپنی ذات کو ''الاکرم'' کی صفت سے متصف فرمایا تو اس کے ساتھ ہی انسان میں تعلیم بالقلم کی استعداد رکھنے کی نعمت کا بھی ذکر فرمایا تاکہ انسان اپنے آپ میں تعلُّم بالقلم کی استعداد کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت سمجھے اور دُنیوی واُخروی امور میں اس سے فائدہ اٹھائے۔ اس نعمت کی عظمت کے اظہار کے لئے قلم وغیرہ آلاتِ کتابت کی قسم بھی کھائی۔

مثلاً نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ o (نٓ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں)

وَالطُّوْرِ o وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ o فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ o (قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ترغیب:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی اہمیت ظاہر فرمائی۔ چنانچہ والد پر ولد کا یہ حق ٹھہرایا کہ وہ اس کو لکھنا سکھائے۔ ابورافع ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**حق الولد علی الوالِدان یعلّمه الکتابة والسباحة روالرامی** (والد پر ولد کا یہ حق ہے کہ وہ اسکو کتابت، تیرا کی اور تیر اندازی سکھائے)۔

مدینہ منّورہ میں خط وکتابت کی اشاعت:

مدنیہ منورہ میں خط و کتابت کو فروغ ہجرت کے بعد ایک سال کے اندر اندر رہوا۔ جب غزوۂ بدر میں ستر قریشی قیدی بنائے گئے تو ان میں سے جو لوگ فدیہ ادا نہ کر سکے ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کے بدلے یہ لازم فرمایا کہ ایک ایک قیدی دس دس بچوں کو خط سکھائے۔ اس طرح انصار کے کئی بچوں نے خط و کتابت سیکھی۔ انصار کے ان بچوں میں زید بن ثابت بھی تھے۔ (الکتانی . الترتیب الاداریہ ۱ : ۴۹)
اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص کو حکم فرمایا تھا کہ وہ مدنیہ منورہ میں لوگوں کو کتابت سکھائیں (ایضاً) اور عبادۃ بن الصامتؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ کو کتابت اور قرآن سکھایا۔ (ابن عبدالبر: الاستیعاب ۱:۹۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین کی تعداد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن صحابہؓ سے کتابت کی خدمت لی ہے ان کی تعداد بیالیس تک پہنچی ہے جن کا ذکر العراقی نے مندرجہ ذیل اشعار میں کیا ہے

کتابه اثنان و اربعونا — زیدبن ثابت و کانحینا
کاتبه وبعده معاویه — ابن ابی سفیان کان داعیه
کذاابوبکر کذاعلی — عمر عثمان کذاابی
وابن سعید خالدو حنظه — کذاشرجبیل حسنه
وعامروثابت بن قیس — کذاابناالارقم بغیر لبس
واقتصر المزی مع عبدالغنی — منهم علی ذاالعدالمبین
وزدت من مفترقات السیر — جمعا کثیر افاضبطنه و احصر
طلحة والزبیروابن الحضرمی — وابن رواحة و جهماً فاضمم
وابن الولید خالدًاو حاطباً — هوابن عمرو کذاحویطبا
حذیقة بریدة ابان — ابن سعید واباسفیان
کذاابنه یزید بعض مسلمة — الفتح مع محمدبن مسلمة
عمروهوابن العاصی مع مغیرة — کذامعیقیب هوالدوسی
وابن ابی الارقم فیهم اعدد — کذالک ابن سلول المهتدی

کذاابن زید اسمه عبدالله	والجد عبدربه بلااشتباه
واعد جهیماو العلاابن عتبه	کذاحصین بن نمیراثبت
و ذکروا ثلاثةً قد کتبوا	وارتد کل منهم وانقلبوا
ابن ابی سرح مع ابن خطل	وآخرابهم لم یُسم لی
ولم یعد منهم الی الدین سوی	ابن ابی سرح وباقیهم غوی

(اکتافی التراتیب الاداریه ۱:۱۱۶)

ان کاتبین حضرات میں سے زید بن ثابت بن الضحاک الانصاری الخزرجی۔ معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ عبد شمس بن عبد مناف۔ ابوبکر الصدیق عبداللہ بن ابی قحافہ، عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر التیمی القرشی۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم الہاشمی القرشی۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس الاموی القرشی۔ عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر العدوی القرشی۔ ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار الانصاری النجاری۔ خالد بن سعید بن العاص بن امیہ عبدالشمس الاموی۔ حنظلہ بن الربیع بن المرقع بن صیغی۔ شرجیل بن حسنہ (حسنہ ان کی والدہ کا نام ہے اور والد کی طرف سے سلسلہ نسب ہے) شرجیل بن عبداللہ بن المطاع بن عبداللہ الکندی۔ عامر بن فہیرہ (جو قدیم الاسلام تھے عامر بن الطفیل کے غلام تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو خریدا اور آزاد کیا)۔ ثابت بن قیس بن شماس بن مالک بن امرؤ القیس۔ ابن الارقم۔ عبداللہ بن الارقم بن ابی الارقم۔ عبدیغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ طلحہ بن عبیداللہ بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی القرشی۔ الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی القرشی۔ العلاً بن الحضرمی۔ عبداللہ بن عمار۔ عبداللہ بن رواحۃ الخزرجی الانصاری۔ جہم خالد بن الولید بن مغیرۃ المخزوی سیف اللہ۔ حاطب بن عمرو۔ حویطب بن عبدالعزی العامری۔ حذیفۃ بن الیمان العبسی ۔۔۔۔۔۔۔ ابان بن سعید بن العاص۔ ابو سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔ یزید بن ابی سفیان بن حرب۔ محمد بن مسلمہ۔ عمرو بن العاص بن وائل القرشی۔ مغیرہ بن شعبۃ الثقفی۔ السجل۔ ابوسلمہ۔ ابوایوب الانصاری معیقیب بن ابی فاطمۃ الدوسی۔ ابن ابی الارقم۔ ابن سلول۔ العلاء بن عتبہ۔ حصین بن نمیر۔ ابن ابی سرح، حضرات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

لئے کتابت کی خدمت انجام دینے کی تصریحات مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔
ابن حزم کی جوامع السیرہ (ص ۲۶ طبع مصر) ابن عبدربہ کی عقد الفرید (ج ۴ ص)۔ ابن عبدالبر کی الاستیعاب (ج ۱ ص ۲۷ مطبع ہند دکن حیدرآباد)۔ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسلانی کی المواہب اللدنیہ محمد بن عبدوس الجھشیاری کی کتاب کتاب الوزرأ والکتاب (ج ۱ ص ۲۹ مطبع طنطا)۔ اور العسقلانی کی کتاب (ص ۱۲ مطبع مصر) الاصابۃ فی تمیز الصحابہ۔ ان حضرات صحابہؓ کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے کاتب ہونے پر المواہب اللدنیہ میں تصریح موجود ہے۔

<u>کاتبین قرآن مجید:</u>

وحی کی کتابت کا کام اکثر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ انجام دیتے رہے۔ جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں پر تلوار ماری۔ تو آپؓ نے فرمایا۔ **وَاللّٰہ انّھا لَاُوْلٰی یدٍ خَطَّتِالمفصل** (اللہ کی قسم! یہ سب سے پہلا ہاتھ ہے جس نے مفصل سورتوں کی کتابت کی) (شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفاء عن تاریخ الخلفاء ۲: ۱۲)
ہجرت کے بعد وحی کی کتابت زید بن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ فرماتے رہے۔ (محمد بن عبدوس الجھشیاری: کتاب لوزراء ولکتاب: ۱۲) ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر الفاروقؓ، زبیر بن العوام، خالد بن سعید بن العاص بن امیہ، ابان بن سعید بن العاص، حنظلہ بن الربیع الاسدی، معیقیب بن ابی فاطمہ، عبداللہ بن الارقم الزھری، شرجیل بن حسنہ اور عبداللہ بن رواحہ سے بھی وحی کی کتابت کا کام لیا جاتا تھا۔ (العقلانی: فتح الباری ۱: ۳۹۷)
اگر نزول وحی کے وقت ان حضرات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتا تو پھر کاتبین میں سے آیات کے نزول کے وقت جو بھی موجود ہوتا اس سے وحی کی خدمت لی جاتی جیسا کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں۔ (**فکان اذا انزل علیہ الشیئی دَعَا بَعْضَ من کان یَکْتُبُ عندہ فیقول :ضعوا ھٰذا فی السُّورۃ التی یذکر فیھا کذا** (الحاکم: المستدرک ۲: ۲۲۱) (پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز نازل ہو جاتی تو اپنے ہاں لکھنے والوں میں سے کسی کو بُلا کر اس کو فرماتے ’’اس کو اس سورت میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر کیا گیا۔‘‘

<u>وہ اشیاء جن پر قرآن مجید کی کتابت ہوتی رہی:</u>

احادیث میں مندرجہ ذیل اشیاء پر قرآن مجید کی کتابت کی تصریح آئی ہے۔
اکتاف: شانہ کی چوڑی ہڈیاں ۔۔۔ الواح: تختیاں ۔۔۔ عسب: کھجور کی شاخوں کی ڈنٹھلیں ۔۔۔ لخاف: باریک سفید پتھر کے ٹکڑے ۔۔۔ رقاع: کھال، پتلی جھلی یا کاغذ کے ٹکڑے ۔۔۔ قطع الادیم: چمڑے کے

ٹکڑے۔۔۔۔اقتاب: اونٹ کی کاٹھیاں

(۱) جیسا کہ حضرت براءؓ فرماتے ہیں۔ جب ''**لَا یَسْتَوِیْ الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ**'' (النساء ۴: ۹۵) نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **ادعی زیدا ولیجیٔ باللوح والداۃ والکتف** (الحدیث) (البخاری: الصحیح الجامع ۲: باب جمع القرآن) ترجمہ: ''زید کو میرے پاس بلاؤ (اور اسے کہو) کہ تختی دوات اور شانہ کی ہڈی اپنے ساتھ لے آئیں''۔

(۲) زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کا کام میرے ذمہ ڈالنا چاہا اور میرا دل بھی اللہ تعالیٰ نے اسی بات کے لئے کھول دیا جس بات کے واسطے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا دل کھولا تھا: **فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف و صدور الرجال** (البخاری: الصحیح الجامع ۲: باب جمع القرآن) ''پھر تو میں نے قرآن کی تلاش اور جستجو کا آغاز کر دیا اور اُسے کھجور کی شاخوں اور سفید پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا۔'' نیز آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **کنا عند النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نؤلف القرآن من الرقاع** (الحاکم: المستدرک ۲: ۶۱۱) ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن کو کھال کے مختلف پرچوں پر مرتب کیا کرتے تھے۔'' بعض روایات میں قطع الادیم اور اقتاب بھی ذکر ہے (کتاب المصاحف ۹ العقلانی: فتح الباری ۱۰: ۳۸۸)

☆☆☆☆☆

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

﴿وَقَّتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم فِیْ قَصِّ الشَّارِبِ وَ تَقْلِیْمِ الْاَظْفَارِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ وَنَتْفِ الْاِبْطِ اَنْ لَّا نَتْرُکَ اَکْثَرَ مِنْ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا﴾ (احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مونچھیں تراشنے، ناخن تراشنے، بغل صاف کرنے اور زیرِ ناف لینے کے لیے وقت کی تحدید فرما دی ہے کہ ہم چالیس روز سے زائد نہ رکھیں۔''

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

حجِ مبرور (قسط نمبر ۲)

اس کے بعد حج کے پانچ ایاّم کی طرف آتے ہیں جن میں مناسک حج ادا کیے جاتے ہیں۔ایک تو مناسک کی ظاہری صورت ہے اور ایک ان کی ابتداء اور تاریخ ہے، اور اس کی وجہ سے ان مناسک کے ساتھ خاص سوچ اور جذبات واحساسات متعلق ہیں۔اگر مناسکِ حج کی ادائیگی پوری توجہ اور احساسات کے ساتھ ہو تو حج کے ظاہری، باطنی اور روحانی فوائد حاصل ہوں۔

۸ ذی الحج کو حاجی منیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔آٹھ تاریخ کا پورا دن منیٰ میں گزرتا ہے۔اس کے بعد ۱۰، ۱۱، ۱۲ تاریخ کے ایاّم بھی منیٰ میں گزارے جاتے ہیں۔اس عمل کے پیچھے حضرت ابراھیمؑ کی عظیم قربانی کی یادگار ہے، جب کہ حضرت خلیل اللہ نے اپنے جذبہ محبت کی وہ مشکل صورت جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اللہ کے حکم پر ذبح کر دی، اور ذبح بھی اپنے ہاتھ سے کیا۔گو اللہ تعالیٰ کے امر سے وہ ذبیحہ بچے کے بچ جانے اور دنبہ کے ذبح ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا لیکن ذبح کرنے والے نے تو آنکھیں بند کیے ہوئے گویا ایک گردن پر چھری چلا ہی لی۔اللہ تعالیٰ بھی اس جذبہ محبت کو قربان کروانا چاہتے تھے بچے کو قربان نہیں کروانا تھا۔تو منیٰ کے اس مقام کے ساتھ اس ذبح عظیم کی یادیں وابستہ ہیں۔ یہاں کے قیام کے دوران ان جذبات و احساسات اور سوچ کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔

جس جگہ کوئی خاص عمل ہوا ہوا ہو، اچھا یا برا، وہ زمین اور وہ فضاء اس عمل کے رحمت یا زحمت کے اثرات کو اپنے اندر جذب کیے ہوئے ہوتی ہے۔یہ اثرات وہاں سے تھوڑی دیر کے لیے گزرنے والے پر بھی آتے ہیں، چنانچہ غزوہ تبوک کے سفر میں عاد و ثمود کی بستیوں سے گزرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی سے گزرنے کا حکم فرمایا تا کہ اس نحوست کی فضاء کا کم سے کم اثر آئے۔

پرانے واقعات میں ہے کہ ایک دفعہ شاہ ابوالمعالیؒ شاہ دولہؒ سے ملنے کے لیے گجرات تشریف لے گئے تو انھیں معلوم ہوا کہ حضرت لاہور کے پاس رائے پنڈ نامی ایک بستی میں تشریف لے گئے ہیں۔وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ وہ ایک بیابان سی جگہ پر مراقب ہیں۔ملاقات پر انھوں نے فرمایا کہ اس جگہ عجیب وغریب انوارات کا نزول ہو رہا ہے جن سے فیضیاب ہونے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔یہی وہ جگہ ہے جہاں آجکل رائیونڈ کا تبلیغی مرکز ہے، تو اس جگہ ایک عمل کے وجود میں آنے سے صدیوں پہلے ادارک والی شخصیت کو انوارات محسوس ہو رہے تھے۔(روایت حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب)

حضرت سید احمد شہیدؒ ایک ایسی جگہ سے گزر رہے تھے جہاں سارے قصبے کا کوڑا کرکٹ پھینکا گیا تھا آپ نے فرمایا کہ اس جگہ سے علم کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں تقریباً پچاس سال بعد دارالعلوم دیوبند بنا۔ تو ایسی جگہوں پر انوارات کی بارش ہوتی رہتی ہے جو ادراک والوں کو محسوس بھی ہوتی ہے، قلب کا فیضیاب ہونا اور روح کا روحانی عروج حاصل کرنا وہ محسوس کرتے ہیں۔ ہماری طرح لوگ جو محسوس نہ بھی کرتے ہوں بہرحال قلبی فیوض اور روحانی عروج ان کو بھی ہوتا ہے، صرف طلب، قدر اور دل کی حاضری اور دھیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ منیٰ میں جو بڑا عمل ہے وہ رمی جمرات یعنی شیطانوں کو کنکریاں مارنا ہے۔ شیطان کوئی نفسیاتی خیال یا روحانی کشمکش کا نام نہیں ہے بلکہ ایک معین مخلوق کا نام ہے جو اپنی ابلیسی قوت کے ذریعے ہر حق بات اور نیکی کی مخالفت کرتا ہے اور جیسے آجکل ہپناٹزم، مسمریزم اور ٹیلی پیتھی کی قوتیں ایک منظّم سائنس بن چکی ہیں ایسی ہی قوت سے وہ منفی خیالات کو دل میں ڈال کر مثبت خیالات کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ کشمکش باطن میں اس حد تک جاتی ہے کہ جیسے ظاہری دشمنیوں میں ایسے حالات ہو جائیں کہ جس کے نتیجے میں غصے اور جذبات میں آکر دشمن پر وار کرنا پڑے اور اسے بھگانا پڑے۔ یہ وہ جذبات ہیں جو عام آدمی بھی اپنے نفع نقصان کے کاموں میں اپنے مخالفین کے لیے محسوس کرتا ہے۔ تو کنکریاں مارتے ہوئے یہ ہمت جذبہ اور کہ باطل خیالات سے ٹکرا کر اور انھیں روند کر حق کی طرف بڑھنے کو سیکھنا ہوتا ہے۔

منیٰ کے بعد حاجی میدان عرفات جاتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں چالیس سال گریہ وزاری کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام اکٹھے ہوئے اور ان کی معافی کا اعلان ہوا۔ یہاں حاجی نے یوں محسوس کرنا ہوتا ہے جیسے کوئی ایسا مجرم جس نے انتہائی مہربان خیرخواہ اور محسن کے بار بار احسان کے باوجود اس کی نافرمانیاں کی ہوتی ہیں اور محسن بھی ایسا جو انتہائی قوت اور قدرت والا ہو اور چاہے تو آنِ واحد میں انتقام لے لے اور ایسا پیارا اور ایسے حسن و جمال، فضل و کمال، عطا و نوال، عظمت و جلال والا کہ گویا اس سے لپٹ ہی لیا جائے اور اس کے قدموں میں سر رکھ دیا جائے۔ یہ جگہ گویا ان جذبات کے ساتھ حاضری کی جگہ ہے۔ اللہ والوں کی تو یہاں چیخیں نکل جاتی ہیں اور دل و جگر ٹکڑے ہو کر گویا زمین عرفات میں بکھر جاتے ہیں، اور ایسے چمٹ کر مانگتے ہیں کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ اپنے لیے اور سب کے لیے مانگ مانگ کر دامن رحمت سے جھولیاں بھر لیتے ہیں۔

مزدلفہ کی شب وہ شب ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظالموں کے بارے میں بھی دعا

قبول ہوئی ہے جو عرفات میں قبول نہیں ہوئی تھی۔ لہذا اس رات کی قیمت اور برکت کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ دعا کے ذریعے ہیرے سونے کی کان ہے، جتنے کھودے جاؤ دامن بھرتے جاؤ۔ یا مرضی ہے تو سونے میں اور فضول بحثوں میں ضائع کردو۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی ماں کی مامتا کے ان بیقراری کے جذبات کو لیے ہوئے ہے جوان پر جان بلب پیاسے بچے کو دیکھ کر طاری ہوئے اور ان پر یہ بپتا اور آزمائش اس وجہ سے آئی کہ انھیں ابراہیمؑ اس علاقے میں ایک عالمی و ابدی دینی مرکز کی آبادی کے لیے تن تنہا بے آب و دانہ چھوڑ کر چلے گئے اور یہ چھوڑنا شاید انھیں اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام ربوبیت سے پلنے کے تجربہ سے گزارنے کے لیے تھا، جوان پر گزرا اور آج تک کے لیے اور قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام پرورش کے سمجھنے اور سیکھنے کے لیے مثال ہے۔ سعی کے دوران ذرا ان احساسات و جذبات کو طاری کرنا ہوتا ہے۔

طواف بیت اللہ تو گویا محبوب کے ارد گرد پروانہ وار گھومنے کا ایک مجازی منظر ہے

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی

مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

حجرِ اسود کو اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ کہا گیا ہے۔ گویا جس نے اس کو چوما اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو چوما۔ حجر اسود کے بوسے کے وقت اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ کا تصور اور اس بات کا تصور کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر آدمؑ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء علیہم الصلوۃ السلام کے ہونٹ لگتے رہے، انسان پر ایک زبردست ربودگی (ہوش و حواس اڑ جانا) کی کیفیت طاری کرتا ہے۔ ملتزم کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جس نے ملتزم پر چمٹ کر غلاف کعبہ کو پکڑا اس نے گویا اللہ تعالیٰ کے دامن کو پکڑ لیا۔ سبحان اللہ! دامنِ رحمت اور اس گنہگار کے ہاتھ میں،

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے   ہاتھ اپنے دونوں نکلے کام کے

اس منظر پر تو بندہ نے اہل اللہ اور فقراء کو چیختے بلبلاتے اور آنسو بہاتے دیکھا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ سبحان اللہ! یہ دولتیں اور یہ غفلت اور یہ ناقدری۔ واقعی جب یہ باتیں سامنے

نہ ہوں تو حج نرا ایک بوجھ ہی محسوس ہوگا اور جب غفلت و نا قدری سے ایسے ہی وقت کوٹرخا دیا جائے تو حجِ مبرور کب ہوا۔ اور جب حجِ حج مبرور نہ ہوا تو اس پر برکتیں، نعمتیں اور مسائل کا حل کیسے ملے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

انبیاء فرشتے اور برگزیدہ بندے شب و روز ذکر اور دعاء و تسبیح اور استغفار میں مشغول ہیں۔ مبارک ہے وہ انسان جسے دعا مانگنے والوں کے زمرہ میں جگہ مل جائے۔ دعا کی منفعت خود لذتِ دعا ہے، پھر اس دعا کے نتیجے میں مؤمن بندے کو تسکین روح اور اطمینان قلب کی جو دولت حاصل ہوتی ہے اس کی برکتوں کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ.

سو اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان و سکون سے ہمکنار ہوتا ہے۔

سکون قلب کی وہ دولت ہے جس کے لیے بھرپور خزنوں والے سرمایہ دار اور وسیع اختیار رکھنے والے ارباب اقتدار بھی ترستے ہیں۔ لیکن یہ نعمت اسی شخص کو مل سکتی ہے جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے ہمکنار ہو۔ **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ.**

نیز دعا مانگنے کا ایک عظیم فائدہ یہ ہے کہ دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ مانگنے والا ہو۔

دعا کے ذریعے انسان کو وہ قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے جو انسانی زندگی کا خلاصہ ہے کیونکہ دعا کے بارے میں فرمایا ہے انی قریب ۔ دنیا میں انسان کی بڑی کامیابی قرب الٰہی کا حصول ہے جس کے لیے ہزاروں ریاضتیں اور مجاہدات کیے جاتے ہیں۔ ایک عقلمند انسان کی زندگی کا اہم ترین مقصد وہی ہونا چاہئے جس پر فلاح دارین موقوف ہو۔ بقول علامہ اقبال مرحوم،

زندگانی نیست تکرارِ نفس اصل او از حیّ وقیوم است بست

قرب جان بآنکه گفت انی قریب از حیات جاوداں بردن نصیب

اور یہی قرب جو انسانی زندگی کی روح اور لب لباب ہے دعا میں بطریق اکمل موجود ہے بشرطیکہ دعا حقیقی ہو محض زبان کی پکار نہ ہو۔ بلکہ دل کے درد سے اپنی عاجزی اور محتاجی سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور کامل قدرت کا دھیان کر کے دعا مانگی جائے۔

مولانا محمد امین صاحب

دعا کی حقیقت اور فوائد وثمرات

دعا کی حقیقت نیاز مندی ہے یعنی اپنی حاجات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنا۔ آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ دعا عبادت ہے خواہ دعا دین کے لیے ہو یا دنیا کے لیے مگر نا جائز کام کے لیے نہ ہو، چھوٹی چیز کے متعلق ہو یا بڑی چیز کے متعلق ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

دیگر جتنی بھی عبادات ہیں اگر ان میں دنیا کی نیت ہو تو وہ عبادت نہیں رہ سکتیں۔ البتہ دعا ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر یہ دنیا کے لیے ہو مثلاً مال مانگنا وغیرہ تب بھی عبادت ہے اور اس پر ثواب ملے گا۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے **"من لم یسئل اللہ یغضب علیہ"** یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اس پر اللہ تعالیٰ کو غصہ آتا ہے۔ جبکہ جو برابر مانگتا رہے اس سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوتے ہیں۔

ہر تدبیر میں آدمی اپنے مثل سے احتیاج ظاہر کرتا ہے خواہ قال سے ہو یا حال سے لیکن دعا میں بندہ ایک ایسی ذات کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے جو کامل قدرت والا اور برتر ہے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے۔ عقل انسانی بھی یہی حکم دیتی ہے کہ جو قادر مطلق ہے اس سے ہی مانگنا اکمل وانفع ہے۔

پس یقیناً دعا ساری تدابیر سے اونچی تدبیر ہے۔ جب ساری تدابیر ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہیں تو جو شخص دعا کی تدبیر کو اختیار کرے گا تو وہ ضرور کامیاب ہوگا۔

تنبیہہ: دعا صرف امور غیر اختیاریہ کے ساتھ خاص نہیں۔ جیسا کہ عام خیال ہے کہ جو امور اپنے اختیار سے خارج ہوتے ہیں وہاں مجبور ہو کر دعا کرتے ہیں ورنہ تدبیر پر اعتماد ہوتا ہے۔ بلکہ امور اختیاریہ میں بھی دعا کی اشد ضرورت ہے۔ اصل میں سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، یہ اسباب و تدابیر اور علامات محض بندوں کی تسلی اور دیگر حکمتوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ (شریعت وطریقت: مولانا اشرف علی تھانوی)

اللہ تعالیٰ نے جن انعامات خاصہ سے انسان کو نوازا ہے ان میں دعا بھی ہے۔ دعا ایمان کی نشانی ہے، تعلق الٰہی کی دلیل، عبادت کا مغز، حقیقی عبودیت، جانِ بندگی، روحِ فقر اور رونق درویشی ہے۔ دعا بندہ کا رب سے رابطۂ قویہ، مؤمن کا ہتھیار، بے تاب روح کی غذا، زخمی دل کا مرہم اور عشاق کی نامرادیوں کا مداوا ہے۔ دعا فقراء کا خزانہ، مسکینوں کا توشہ، ناداروں کی ڈھارس اور سالکین طریق کا زادراہ ہے۔ دعا کا شغف اور

اشتغال اس میں الحاح وزاری، تضرع، خشوع وابتہال توحید وللّٰھیت اور صفات الٰہیہ پر ایمان کامل اور یقین راسخ کا نتیجہ ہے۔ دعا جامع الاسباب، ام الذرائع، کلیدِ خیر اور مطلب پورا کرنے کی احسن واکمل تدبیر ہے۔ دعا دارین کی حاجات وضروریات کے انجاح وحصول کا اقویٰ واجمل سبب ہے۔ دعا درماندہ بندہ کی اپنے رحیم و کریم آقا کے دربار میں مناجات، پکار وعرضداشت ہے جس کا ہر بول بندہ اور رب کے درمیان تعلق کو قوی تر کرتا ہے۔ ایک فقیرِ بے نوا کا سرمایہ دعا اور قوت دعا ہی ہے کہ فقر کی حقیقت ہی ''الحمید'' میں سب کچھ دیکھ کر اپنی بے مائیگی، ہیچ درہیچ ہونے کا یقین رکھتے ہوئے دعاء، تفویض، وتسلیم ورضا، عبدیت وعبودیت کے وظیفہ میں اپنی زندگی گزار دینا ہے۔ محبوب ازل کا محبّ صادق اور حمید مطلق کا طالب حقیقی ہر آن قلباً وحالاً اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز اس کے ساتھ مناجات ودعا میں مشغول رہتا ہے۔ اس لیے فخر الفقراء اور سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جز وکل دعا ومناجات سے بھرپور ہے۔ کیونکہ جس قدر حقیقتِ فقر وعبودیت میسر ہو گی انسان میں تبتل، التجاء اور احتیاج الی اللہ کی کیفیت بڑھتی جائے گی۔ صحیفہ اسلامی دعا کی عظمت وبرکت پر دال اور قصص انبیاء اجابت دعا پر ناطق اور اسوہ نبویہ اور احادیث مبارکہ دعا کے فضائل واہمیت پر شاہد عدل ہیں

دعا کے فوائد وثمرات:

جب انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حضورِ قلب کے ساتھ دعا کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور اپنی احتیاج، کمزوری اور بے بسی ظاہر کرتا ہے (جو کہ بندگی کا اعلیٰ مقام ہے) اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور کمال قدرت جیسی صفات کا یقین دل میں اتارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر یقین کام اور دل کا اطمینان، جو ایمان باللہ کا جز ہے، دعا سے حاصل ہوتا ہے۔ محبت اور معرفت الٰہی کا جو اعلیٰ مقام ہے وہ دعا پر آداب کی رعایت کے ساتھ استقامت سے حاصل ہوتا ہے۔ دعا اگر بظاہر قبول نہ بھی ہو تب بھی اپنے رب سے اس بہانے مناجات اور سرگوشی کی جو نعمت حاصل ہوتی ہے وہ کیا کچھ کم سعادت ہے۔ دعا کے فوائد جلیلہ سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ قلبِ انسانی کو اپنے خالق ومالک سے نسبت صحیح حاصل ہوجاتی ہے۔ اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ ارض وسماء میں مدبر امور کون ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کی جان کس کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس کا ایمان اللہ حیّ قیوم پر کامل ہوجاتا ہے۔ رب العالمین کے سمیع، بصیر اور علیم وقدیر کی صفات پر اس کا وثوق مستحکم ہوجاتا ہے۔ بندہ کو اپنی بیکسی بلکہ کل عالم کی درماندگی ظاہر ہوجاتی ہے یہ ہزاروں منفعتوں کی ایک منفعت ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کے لیے

(باقی صفحہ نمبر ۳۰ پر)

انبیاء فرشتے اور برگزیدہ بندے شب و روز ذکر اور دعاء و تسبیح اور استغفار میں مشغول ہیں۔ مبارک ہے وہ انسان جسے دعا مانگنے والوں کے زمرہ میں جگہ مل جائے۔ دعا کی منفعت خود لذتِ دعا ہے، پھر اس دعا کے نتیجے میں مؤمن بندے کو تسکین روح اور اطمینان قلب کی جو دولت حاصل ہوتی ہے اس کی برکتوں کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے

الا بذکر الله تطمئن القلوب.

سو اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان و سکون سے ہمکنار ہوتا ہے۔

سکون قلب کی وہ دولت ہے جس کے لیے بھرپور خزنوں والے سرمایہ دار اور وسیع اختیار رکھنے والے ارباب اقتدار بھی ترستے ہیں۔ لیکن یہ نعمت اسی شخص کو مل سکتی ہے جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے ہمکنار ہو۔ **اللّٰھم اجعلنا منھم.**

نیز دعا مانگنے کا ایک عظیم فائدہ یہ ہے کہ دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ مانگنے والا ہو۔

دعا کے ذریعے انسان کو وہ قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے جو انسانی زندگی کا خلاصہ ہے کیونکہ دعا کے بارے میں فرمایا ہے **انی قریب** ۔ دنیا میں انسان کی بڑی کامیابی قرب الٰہی کا حصول ہے جس کے لیے ہزاروں ریاضتیں اور مجاہدات کیے جاتے ہیں۔ ایک عقلمند انسان کی زندگی کا اہم ترین مقصد وہی ہونا چاہئے جس پر فلاح دارین موقوف ہو۔ بقول علامہ اقبال مرحوم،

زندگانی نیست تکرارِ نفس　　اصل او از حیّ وقیوم است بست

قرب جان بآنکه گفت انی قریب　　از حیات جاوداں بردن نصیب

اور یہی قرب جو انسانی زندگی کی روح اور لب لباب ہے دعا میں بطریق اکمل موجود ہے بشرطیکہ دعا حقیقی ہو محض زبان کی پکار نہ ہو۔ بلکہ دل کے درد سے اپنی عاجزی اور محتاجی سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور کامل قدرت کا دھیان کر کے دعا مانگی جائے۔

☆☆☆☆☆